فقہ اسلامی کا ارتقاء

محمد انس احسان☆

فقہ اسلامی کے تاریخ کے اعتبار سے چھ ادوار ہیں[1]۔

(۱) عہدِ رسالت (۲) خلافتِ راشدہ (۳) دورِ بنی امیہ (۴) دورِ بنی عباس
(۵) جمود و تقلید کا دور (۶) دورِ حاضر۔

عہدِ رسالت (پہلا دور)

نبی کریم ﷺ کے عہد میں فقہ سے متعلق جملہ امور آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے وابستہ تھے۔ چنانچہ قانون سازی اور دیگر احکامات آپ ﷺ بنفسِ نفیس خود انجام دیا کرتے تھے۔ اس دور میں فقہ کی نہ تو باقاعدہ تدوین ہوئی تھی اور نہ ہی اس کی بہت زیادہ ضرورت محسوس کی گئی تھی۔ اس دور میں فقہ کے ابتدائی دو ماخذ یعنی قرآنِ کریم اور سنّتِ نبویہ سے استشہاد کیا گیا اور صورت یہ رہی کہ جیسی جیسی ضرورت محسوس ہوتی گئی اسی لحاظ سے احکامات متعین ہوتے گئے۔ احکامِ الٰہی کی ان تشریحات کی ذمہ داری بھی قرآن کریم نے آپ ﷺ ہی کی ذمہ داری بتائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ﴾ (الجمعة:۲)

''وہی ہے جس نے اُمّیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل کام تھے:

☆ تعلیم کتاب دینا ☆ تشریح کتاب کرنا ☆ تزکیۂ نفس کرنا
☆ صالح جماعت تیار کرنا ☆ اس جماعت کی رہنمائی کرنا۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان تمام امور پر خوب محنت کی اور حیاتِ انسانی کو درپیش جملہ عمومی مسائل کی تشریحات کر کے اپنا فریضہ ادا کیا۔ آپ ﷺ کی وفات تک اسلامی قانون کا بنیادی خاکہ مدوّن ہو چکا تھا، نیز دوسری طرف اس کے نفاذ کی عملی راہیں بھی متعین ہو چکی تھیں اور اس حوالہ سے ایک عملی معاشرہ تشکیل پا چکا تھا جو قانونِ اسلامی کی اصل روح سے واقف تھا اور اس کی عملی تشریحات کا اہل تھا۔

☆ استاد جامعہ قاسم العلوم گلگشت کالونی، ملتان

خلافتِ راشدہ (دوسرا دور)

فقہ اسلامی کا دوسرا دور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد شروع ہوتا ہے اور یہ خلافتِ راشدہ کے دور سے منسوب ہے۔ اس دور میں چونکہ اسلامی فتوحات کی کثرت ہوئی اور ان فتوحات کے نتیجے میں اسلام کو مختلف تہذیب و تمدن سے واسطہ پڑا' چنانچہ بہت سے اجتماعی مسائل نے جنم لیا جن کا اسلام کو اس سے قبل واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس دور میں مسائل کے حل کے لیے دو نئے مآخذ یعنی اجماع اور قیاس کا استعمال شروع ہوا۔ اجماع کو منظم شکل دی گئی اور رائے کے استعمال کے لیے فقہی اصول و قواعد منضبط ہوئے۔

صحابہ کرام ؓ میں چار طرح کے لوگ تھے:

- ☆ صحابہ کرام ؓ کا پہلا طبقہ وہ ہے جن سے بہت زیادہ روایات اور فقہی مسائل منسوب ہیں۔ یہ کسی ایک میدان کے متخصص نہیں بلکہ پورے دین کے متخصص تھے۔ بہت سے فقہی مسائل میں اپنے طبعی میلان کے باعث انہوں نے مسائل استنباط کیے ہیں اور یہ حضرات خلفاء راشدین ہیں۔
- ☆ صحابہ کرام ؓ کا دوسرا طبقہ متخصصین کا ہے۔ اس طبقہ کو فقہی حوالے سے بہت زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔ ان میں حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت زید بن ثابت اور حضرت اُبی بن کعب ؓ شامل ہیں۔
- ☆ صحابہ کرام ؓ کا تیسرا طبقہ مکثرین کا ہے' یعنی جن سے بہت زیادہ تعداد میں اجتہادات اور فتاویٰ منقول ہیں۔ ان حضرات سے بڑی رہنمائی حاصل ہوئی' لیکن خود ان مکثرین کی تعداد بہت کم ہے۔ ان کی تعداد بیس پچیس سے زیادہ نہیں۔(۲)
- ☆ صحابہ کرام ؓ کا چوتھا طبقہ مقلّین کا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے بہت کم روایات اور مسائل و اجتہادات نقل کیے ہیں۔ ان حضرات سے چند سو کے قریب فتاویٰ نقل ہیں۔ ان کی فہرست بھی ابنِ قیمؒ نے مرتب کی ہے۔(۳)

اس دور میں استنباط صرف ان فتوؤں تک محدود تھا جو وہ لوگ دیتے تھے جن سے کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مسائل کے اثبات اور ان کے جواب میں بہت زیادہ پاؤں نہیں پھیلاتے تھے بلکہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے اور جب تک کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو جائے اس کے متعلق اپنی رائے نہیں ظاہر کرتے تھے۔ البتہ جب مسئلہ پیدا ہو جاتا تھا تو اس کے لیے استنباطِ حکم میں اجتہاد کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبار صحابہؓ سے جو فتوے منقول ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔(۴) اس دور کے مشہور فقہاء درج ذیل ہیں:

- ☆ خلفاء راشدین ؓ
- ☆ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ
- ☆ حضرت زید بن ثابت ؓ
- ☆ حضرت ابی بن کعب ؓ
- ☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ

دورِ بنی اُمیّہ (تیسرا دور)

یہ دور صغار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ کا دور ہے' جو صحابہ کرامؓ کے تربیت یافتہ شاگرد تھے۔ اس کی مدّت ۴۱ ہجری سے لے کر دوسری صدی ہجری کے اختتام تک ہے۔ یہ دور فقہ اسلامی کا تاسیسی دور کہلاتا ہے' کیونکہ اس میں فقہ کی تدوین کا باقاعدہ کام شروع ہوا۔ بقول مولانا تقی امینیؒ فقہ کی ترتیب وتدوین کا پورا مسالہ اسی دور میں تیار ہوا تھا۔ اسی بنا پر اس کو ترتیب وتدوین کا تاسیسی دور کہنا زیادہ مناسب ہے۔(۵) اس دور میں جہاں فقہ اسلامی کی باقاعدہ تدوین کا عمل جاری ہوا وہیں کئی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔

مسلمانوں میں باقاعدہ فرقہ بندیاں وجود میں آئیں۔ ہر فرقہ کے رجحانات ومیلانات دوسرے سے مختلف تھے۔ چنانچہ بعض اسلاف کو بعض پر فوقیت دینے کا رجحان پیدا ہوا اور بہت سے فروعی مسائل میں اختلاف رونما ہوئے۔

اس دور میں روایتِ حدیث کی رکاوٹ ختم ہوگئی' چنانچہ روایتِ حدیث کا عام رواج ہوا' جس کی وجہ سے دُور دُور سے لوگ فتویٰ اور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے علماء وفقہاء کی طرف متوجہ ہوئے۔ روایت حدیث اور ان سے مسائل کے استخراج کے لیے باقاعدہ منظم طریقہ کار اپنایا گیا۔ اس دور میں روایت حدیث کا اندازہ اس عبارت سے ہوسکتا ہے:

> ''اس دور کے اصحابِ فتاویٰ سے حدیثوں کی ایک بہت بڑی تعداد روایت کی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں بعض مفتیوں کی حدیثیں ہزاروں سے زیادہ ہیں۔ مثلاً مسندِ ابی ہریرہؓ ۳۱۳ صفحوں میں' مسندِ عبداللہ بن عمرؓ ۱۵۶ صفحوں میں لکھا ہوا ہے۔ (اس کے برعکس) مسندِ ابی بکرؓ ۴۱ صفحوں میں' مسندِ عمرؓ ۴۱ صفحوں پر اور مسندِ علیؓ صرف ۸۵ صفحوں پر آیا ہے۔''(۶)

مرکز میں پہلی جیسی جاذبیت باقی نہ رہی' اس لیے فقہ میں مختلف علاقوں کے فقہاء کی بات چلنے لگی۔ اسی طرح غیر عرب یعنی عجمی لوگوں کی ایسی جماعت تیار ہوگئی جو اپنی صلاحیتوں اور قابلیت کے لحاظ سے عربوں سے کم نہ تھی۔ اس حوالہ سے مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

> ''یہ حضرات اپنی صلاحیت کے لحاظ سے عرب کے مقابلہ میں کم نہ تھے' بلکہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ فقہ روایت میں عجم کا حصہ عرب سے زیادہ ہے۔ اگر زیادہ نہ بھی ہو تو برابر کی شرکت میں کوئی کلام نہیں۔''(۷)

رائے اور حدیث کے استعمال کرنے میں اختلاف ہوا جس کی بنا پر دو مختلف گروہ بن گئے۔ ایک گروہ دستیاب احادیث کے مطابق فتویٰ دیتا تھا' اسے اہل الحدیث کا گروہ کہا جاتا ہے اور دوسرا گروہ مسائل شریعہ کے حل کے لیے قیاس اور رائے کا کثرت سے استعمال کرتا تھا' اسے اہل الرائے کہا جاتا ہے۔ اہلِ حجاز کا رجحان پہلے گروہ کی طرف تھا اور اس کا مرکز مدینہ تھا' جبکہ دوسرا گروہ اہلِ کوفہ کا تھا اور ان کا مرکز کوفہ تھا۔ اس دور کے مشہور فقہاء درج ذیل تھے:

☆ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

☆ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ ☆ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
☆ حضرت مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ☆ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ ☆ حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ
☆ حضرت مسروق بن الاجداع رحمۃ اللہ علیہ ☆ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ☆ حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ

دورِ بنی عباس (چوتھا دور)

بنوامیہ کے بعد بنوعباس کا دور آیا جو تقریباً آٹھ سو سال پر محیط ہے۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلامی علوم وفنون کی ترقی اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ چنانچہ دیگر علوم وفنون کی طرح فقہ اسلامی بھی اسی دور میں باقاعدہ باضابطہ مدوّن ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ اصولِ فقہ کی جزئیات بھی اپنی حتمی شکل اختیار کر گئیں۔ اس دور کو فقہ اسلامی کا روشن دور کہا جا سکتا ہے۔ اس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور کے فقہاء کے مرتب کردہ فقہی مسائل اور جزئیات پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔

اس دور کی فکری وشعوری داغ بیل تو تیسرے دور ہی میں پڑ چکی تھی، لیکن فقہ کی باقاعدہ تدوین اسی دور میں ہوئی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت بڑے وسیع رقبے پر پھیل چکی تھی۔ چنانچہ سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ تہذیب وتمدّن بھی وسعت اختیار کرتی چلی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے جدید مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ ان مسائل کے حل کے لیے صحابہ کی تیار کردہ جماعت ''تابعین'' اور ان کے صحبت یافتہ ''تبع تابعین'' نے انتہائی محیرّ العقول کارنامے سرانجام دیے اور اسلامی قانون کا کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑا۔ مجموعی حیثیت سے یہ دور علمی وفکری حرکت کا دور تھا۔ کئی قومیں اسلام لائیں اور اس کے نتیجے میں ان قوموں کے علوم وفنون سے استفادہ کے مواقع فراہم ہوئے۔ یونانی علوم وفنون کی ترویج ہوئی اور بہت سی کتب کے تراجم بھی ہوئے۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے یونان کی بغاوت پر جزیہ کے طور پر ان کی کتاب منگوائیں اور ان کے تراجم کے لیے خصوصی محکمہ قائم کیا۔ اس عمل سے مسلم فکر میں وسعت پیدا ہوئی اور دنیا کی فکری حالت اور قانونی جزئیات تک رسائی ممکن ہوئی۔

اس دَور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس دور میں حدیث کی تدوین کا عمل اپنے انجام کو پہنچا۔ پہلے ادوار میں حدیث کا مکمل سرمایہ نظر کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مسائل ادھوری اور نامکمل شکل میں موجود تھے، چنانچہ حدیث کی تدوین ہو جانے کے بعد اب یہ مشکل حل ہو گئی۔

اصولِ فقہ کی تدوین اسی دور میں مکمل ہوئی۔ بہت سے فقہی مسائل ایسے ہیں جن میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہے اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ ہر امام کے فقہی اصول دوسرے سے مختلف ہیں، جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

☆ حدیث کی حجیّت اور اس سے فقہ کے استنباط میں کسی فقیہہ نے کلام نہیں کیا۔ البتہ اس کے قبول کرنے کے طریقہ میں اختلاف ہوا اور ہر فقیہہ نے اپنے اپنے معیار کے مطابق اس کے ضابطے اور طریقے مقرر کیے۔ چند آدمیوں نے حدیث ہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن جمہور فقہاء سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ انہوں نے اس پر سخت نکیر کی تھی۔ حتیٰ کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے انکارِ حدیث کے طریقہ کو ضلالت وگمراہی کا طریقہ قرار دیا۔

☆ قیاس اور استحسان کو ماخذ قرار دینے میں اختلاف ہوا۔ محدثین نے قیاس کے زیادہ استعمال پر پابندی لگانے کی کوشش کی اور امام شافعیؒ نے استحسان کی تردید کی۔ اس میں شک نہیں کہ قیاس سے اس دور میں بہت کام لیا گیا تھا۔ احناف کا حصہ اس میں بہت زیادہ ہے۔ حنابلہ اور مالکیہ کا ان کے مقابلے میں بہت کم ہے اور شوافع کا ان دونوں کے درمیان ہے۔

☆ اجماع کی شرطوں میں اختلاف ہوا' جس کی بنا پر مسائل ثابت کرنے میں مختلف زاویہ ہائے نگاہ پیدا ہوئے۔

☆ حکم سے ثبوت کے درجہ اور طریقہ میں اختلاف ہوا' مثلاً یہ کہ کس طرح وجوبی حکم ثابت ہوتا ہے اور کس طرح غیر وجوبی حکم کا ثبوت ہوتا ہے۔ فقہاء نے اس کے قاعدے وضابطے مرتب کیے۔

☆ فقہاء نے اصولِ فقہ پر بہت سی کتابیں لکھیں اور نہایت کامیاب طریقہ پر اس فن کو مدوّن کیا' جس سے بعد کے لوگوں کو رہبری حاصل ہوئی اور اسی کو بنیاد بنا کر مسائل کا استنباط واستخراج کرتے رہے۔(۸)

تمام فقہی مذاہب جو وجود میں آئے ان کی صحیح تعداد تو اللہ کو معلوم ہے' لیکن اندازاً یہ تعداد سینکڑوں میں تھی۔ اس لیے کہ سینکڑوں بڑے بڑے فقہاء تھے جو یہ کام کر رہے تھے۔ ان میں سے جن جن کو اسباب اور سہولتیں میسّر آ گئیں ان کی فقہیں باقی رہیں اور جن کو یہ اسباب اور سہولتیں میسّر نہیں آئیں ان کی فقہیں ختم ہو گئیں۔(۹) بہر حال اس دور کے مشہور فقہاء' جن کی فقہیں ہم تک کلی یا جزوی طور پر پہنچی ہیں' درج ذیل ہیں:

☆ فقہ حنفی (مؤسس امام ابوحنیفہؒ) ☆ فقہ مالکی (مؤسس امام مالکؒ)
☆ فقہ شافعی (مؤسس امام شافعیؒ) ☆ فقہ حنبلی (مؤسس امام احمد بن حنبلؒ)
☆ فقہ جعفری (مؤسس امام جعفر صادقؒ) ☆ فقہ اباضی (مؤسس امام عبداللہ بن اباضؒ)
☆ فقہ زیدی (مؤسس امام زید بن علیؒ) ☆ فقہ ظاہری (مؤسس امام داؤد ظاہریؒ)
☆ فقہ طبری (مؤسس امام جعفر طبریؒ) ☆ فقہ اوزاعی (مؤسس امام اوزاعیؒ)

ان میں سے آخری دو فقہیں زیادہ عرصہ نہ چل سکیں اور ایک دوسرے میں ضم ہو گئیں۔ مثلاً فقہ اوزاعی فقہ حنفی میں ضم ہو گئی اور فقہ طبری فقہ شافعی میں مدغم ہو گئی۔ اب ان میں سے اکثر کا ذکر صرف کتابوں میں ملتا ہے جبکہ بقیہ آٹھ اس وقت بھی دنیا میں رائج ہیں۔

اس دور میں بہت سے جید اور بالغ نظر فقہاء ہوئے ہیں' لیکن چار فقہاء کو خصوصی شہرت نصیب ہوئی:

(۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (۲) امام مالک رحمہ اللہ
(۳) امام شافعی رحمہ اللہ (۴) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

یہ امام وہ ہیں جن کے مسلک نے شہرت حاصل کی' ان کی فقہ مدوّن کی گئی اور باقی رہی۔ مولانا تقی امینی رحمہ اللہ نے ان فقہاء کی شہرت کے درج ذیل اسباب بیان کیے ہیں:

☆ ان حضرات کی تمام رائیں جمع کر لی گئی تھیں۔ پہلے دور کے لوگوں کو یہ بات حاصل نہ تھی۔ اس بنا پر مستقل رائے کی حیثیت سے ان کے مقابلہ میں ان کو شہرت حاصل نہ ہوئی۔

☆ ان کے شاگردوں کو سوسائٹی میں اونچا درجہ حاصل ہوا۔ پھر جب انہوں نے اپنے استادوں کی رائیں نقل

کیں تو وہ نہایت وقعت کی نظر سے دیکھی گئیں۔
☆ شاگردوں نے ان کی رائے کی اشاعت وحمایت میں کافی زور لگایا۔
☆ بعض مسلک اپنی وسعت اور ان میں ضرورتوں کے زیادہ پوری ہونے کی وجہ سے حکومت کے قانون بن گئے۔(۱۰)

اس دور کے مشہور فقہاء درج ذیل ہیں:

☆ امام ابوحنیفہ ؒ (۸۰۔۱۵۰ھ)	☆ امام مالک ؒ (۹۳ھ۔۱۷۹ھ)
☆ امام شافعی ؒ (۱۵۰۔۲۰۴ھ)	☆ امام احمد بن حنبل ؒ (۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ)
☆ امام طبری ؒ (۱۷۰ھ۔۲۴۸ھ)	☆ امام اوزاعی ؒ (۸۸ھ۔۱۵۷)
☆ امام داؤد بن علی ظاہری ؒ (۲۰۲ھ۔۲۷۰ھ)	☆ امام ابن حزم اندلسی ؒ (۳۸۴ھ۔۴۵۶ھ)
☆ امام سفیان بن سعید ثوری ؒ (۹۷ھ۔۱۶۱ھ)	☆ امام ابو یوسف ؒ (۱۱۳ھ۔۱۸۲ھ)
☆ امام محمد بن حسن شیبانی ؒ (۱۳۲ھ۔۱۸۹)	☆ امام زفر بن ہذیل ؒ (۱۱۰ھ۔۱۵۸ھ)
☆ امام حسن بن زیاد کوفی ؒ (المتوفی ۲۰۴)	☆ امام زید بن علی بن حسین ؒ (المتوفی ۱۲۲ھ)
☆ امام جعفر صادق ؒ (المتوفی ۲۹۰ھ)	☆ امام عبداللہ بن اباض ؒ (المتوفی ۸۰ھ)

جمود وتقلید کا دور (پانچواں دور)

عہد عباسی کے آخری ادوار میں علم فقہ کی ترقی رک گئی۔ یعنی فقہ میں استقلال کی روح سیاسی ضعف کی تقلید میں ضعیف ہوگئی۔ چنانچہ اس دور کے فقہاء نے تدوینِ مذہب پر اکتفا کیا اور ان کا اجتہاد احکامِ فرعیہ تک محدود ہوکر رہ گیا۔ نیز ان کا کام صرف متقدمین کی کتب کی شروح اور حواشی لکھنا رہ گیا۔ ساتویں صدی کے وسط میں تمام فقہاء اس پر متفق ہوگئے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے اور مذاہبِ اربعہ ہی ان کے لیے کافی ہیں۔ اس طرح عربی تمدن کو تدریجاً زوال کا سامنا کرنا پڑا اور ہر طرف جمود چھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف تقلید پھیل گئی اور فقہی اجتہاد رک گیا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

> ”گزشتہ تین سو سال کے دوران جس طرح مسلمانوں کے دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں ایک جمود اور انحطاط پیدا ہوا ہے اسی طرح فقہ اسلامی میں ان کی فہم اور فقہ اسلامی کے بارے میں ان کے رویہ میں بھی جمود اور انحطاط نے جگہ پائی ہے۔“(۱۱)

مسلمانوں کے اجتماعی زوال نے جہاں ان کی اقدار، تہذیب وتمدن اور وقار کی دھجیاں اڑائیں وہیں علوم و فنون کی ترقی میں بھی رکاوٹ آ گئی۔ چنانچہ فقہ اسلامی بھی ان اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی اور اس میں تقلید و جمود کے جراثیم پیدا ہونے لگے۔

> ”ساتویں صدی ہجری میں جب بغداد کی دنیوی شان وشوکت اور دینی وجاہت پر زوال آیا تو وہاں کی علمی سرگرمیاں بھی مدہم پڑنے لگیں اور عربوں کی تہذیب بھی آمادۂ زوال ہوگئی۔ یہ وہ وقت تھا جب سُنّی علماء

نے متفقہ طور پر اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دینے کا فیصلہ کر دیا اور اپنے لیے سُنّیوں کے چار مذہب یعنی فقہ مالکیہ' فقہ شافعیہ' فقہ حنفیہ اور فقہ حنبلیہ کو کافی سمجھ لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی فکر کی ترقی کے آگے ایک ناقابلِ عبور دیوار حائل ہوگئی اور اسلامی فلسفہ قانون نیز دیگر علومِ اسلامی پر جمود اور تقلید و نقالی کی مہریں لگ گئیں۔''(۱۲)

اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اجتہاد کی حرکت رک گئی اور علمائے فقہ اگلے مجتہدین کے مذہبی دائروں میں محدود ہو کر رہ گئے۔ یہ صورت مذاہبِ اربعہ میں خاص طور سے رونما ہوئی۔ ان کے الگ الگ علاقائی مرکز پیدا ہو گئے اور فقہائے وقت کی علمی سرگرمیاں شروحات اور تنقیحات تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ اس علمی جمود کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ فقہ میں بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا ہو گئے۔

اس موقع پر اسی دور کے عالم علامہ ابن قیم الجوزی ؒ بھی کہہ اٹھے کہ:

''فقہ اسلامی میں بعض ایسی مشکلات' دقتیں اور لاینحل مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو کسی بھی فلسفہ قانون کے شایانِ شان نہیں کہلا سکتے۔''(۱۳)

مسلمانوں میں فکری جمود کی یہ کیفیت کیوں پیدا ہوئی اور اجتہاد کا دروازہ کیونکر بند کر دیا گیا؟ ان سوالات پر ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقا ؒ نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''اس دور کے نصف اول میں مذاہبِ اربعہ کے علماء نے بابِ اجتہاد بند کرنے کا فتویٰ صادر کیا۔ اس لیے کہ اجتہادی اہلیت کے لیے جن اعلیٰ صفات اور جس شرعی و لغوی قابلیت اور رسوخِ علمی کی ضرورت تھی علماء میں اس کا فقدان ہو گیا تھا اور عوام کا شعور اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ وہ یہ تمیز نہ کر سکتے تھے کہ کون لائقِ تقلید ہے اور کون نہیں۔ علماء نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ ممکن ہے آگے چل کر بعض جاہل اور ہوا پرست لوگ مدعیانِ علم بن کر مسندِ اجتہاد بچھا بیٹھیں اور فقہ کی اس عالی شان عمارت کو نقصان پہنچائیں جس کی تعمیر صحیح عملی اصول پر ائمہ عظام کے ہاتھوں مکمل ہوئی ہے۔''(۱۴)

اس حوالہ سے علامہ خضری ؒ لکھتے ہیں:

''جس دور میں اجتہاد کا دروازہ بند کیا گیا اس وقت اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس وقت اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بیسیوں مدارسِ خیال پیدا ہو جاتے اور باہم سخت تصادمات ہوتے اور ہر شخص مجتہد بن کر گمراہی پھیلاتا۔ ایسی حالت میں اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ امت زیادہ انتشار سے بچ گئی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی کسی معاملے میں اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں۔''(۱۵)

اس دور کے فکری جمود کی وجوہات اور اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) جن علماءِ مجتہدین نے سابق میں اپنے علم و عقل کے نور سے دنیا کو منور کیا تھا ان کے تلامذہ اپنے اپنے شیوخ کے اقوال کو پتھر کی لکیر سمجھنے لگے اور تعصّب کا خاصہ یہ ہے کہ انسان اس کی وجہ سے ایک ہی نظریہ پر اڑ جاتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اس کے مقابل دوسری چیز ہرگز نہیں سنتا۔ ائمہ سابقین کے بعد ان کے پیرو بھی تعصب میں مبتلا ہو گئے۔ وہ صرف اپنے مسلک کے مطالعہ اور اسی کی اشاعت میں مصروف رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے اکابر کے طرزِ تفکر اور اجتہاد کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ اس کا یہ اثر

ہوا کہ اہل علم خود اعتمادی سے محروم ہو گئے اور ہر مسئلہ میں متقدمین پر اعتماد اور اپنے او پر شک کرنے لگے۔

(۲) شروع میں خلفاء کا طریقہ یہ تھا کہ عہدۂ قضاء کے لیے صاحب اجتہاد علماء کو منتخب کرتے تھے اور مقلّدین کو یہ عہدہ نہیں دیا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں اس کو تبدیل کر دیا گیا یعنی مقلدین کو ترجیح دی جانے لگی' تاکہ ایک معیّن مذہب کے پابند رہ کر اجرائے احکام میں مددگار ثابت ہوں اور کوئی فیصلہ اس مذہب کے خلاف نہ کر سکیں۔ نیز اس امکان کے پیشِ نظر بھی کہ مجتہد قاضی کی رائے اور اس کے فیصلہ پر اہلِ مذہب فقہاء کو نکتہ چینی کرنے کا موقع ملے گا' جس سے عوام کا اطمینان درہم برہم ہوگا' اور چونکہ خلیفہ خاص طور سے اپنے پسندیدہ مسلک کے آدمی کو قاضی مقرر کرتا تھا اس لیے عوام اسی کو کافی سمجھتے اور اسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

(۳) ہر مسلک کے مسائل واحکام کی تدوین سے لوگوں کو یہ فائدہ ہوا کہ اس سے ہر شخص بآسانی مستفید ہونے لگا اور لوگوں کی فطرت ہے کہ مشکل کو چھوڑ کر ہمیشہ آسان چیز کی طرف دوڑتے ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں پیش آمدہ واقعات کے متعلق احکامِ شریعت نہ ملتے تو مجبوراً لوگ اجتہاد سے کام لیتے تھے' مگر جب حضراتِ مجتہدین نے اس بارِ عظیم کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر ہر قسم کے واقعات پر جو وقوع پذیر ہوئے یا ان کے آئندہ واقع ہونے کا احتمال تھا' احکام مدوّن ومرتب فرما دیے تو لوگوں کا یہ حال ہو گیا کہ جب کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آتی اور علماء سابقین کی کتابوں میں اس کا حکم مل جاتا تو بس انہی کے اقوال پر اکتفا کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان میں بذاتِ خود مسئلہ کی تحقیق وتجسّس کا جذبہ پیدا نہ ہوتا تھا۔

(۴) متقدمین کی علمی عظمت' ان کا زمانی تقدم اور عوام میں اسلاف پرستی کا مادہ بھی بابِ اجتہاد کی بندش میں سازگار ثابت ہوا۔(۱۶)

اس دور میں مذہبی مناظروں نے دنگل کی شکل اختیار کر لی۔ اپنے مسلک کے مناقب اور دوسرے کے مسلک پر کیچڑ اچھالنا علماء کا طرۂ امتیاز بن گیا۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقا ؒ فرماتے ہیں:

"فقہی مسائل میں بحث ومناظرہ کی شدّت وعصبیّت کا یہ اثر ہوا کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا علماء کی طبیعتوں سے تسامح اور علمی قدر دانی' جو اسلاف کا طرۂ امتیاز تھی' ختم ہو گئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعض اہلِ مذہب نے مذہبی تقلید کے صحیح ہونے کی یہ شرط بیان فرمائی کہ مقلد کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اس کے امام کا مذہب صحیح ہے' اس میں غلطی کا صرف احتمال ہے اور دوسرے امام کا مذہب خطا ہے اور اس کے صحیح ہونے کا صرف احتمال ہے۔"(۱۷)

(۵) ایک طرف تو مسلمانوں کی روشن کردہ قندیلیں ان کی اپنی غفلت وکوتاہی کے باعث بجھ رہی تھیں تو دوسری طرف مغرب میں علم وفن کا نیا سورج اُبھر رہا تھا۔ دیگر قوموں کے علوم وفنون سے مسلمانوں کو عہدِ عباسی کے آغاز میں بھی واسطہ پڑا تھا' لیکن اب صورتحال مختلف تھی۔ پہلے مسلمان حاکم تھے اور اب محکوم۔ اسی محکومیت نے مغرب کے لادینی اثرات کو بہت جلد قبول کر لیا۔ بقول مولانا امین احسن اصلاحی ؒ جن مسلمان ملکوں میں مغربی قوموں کا عملاً تسلّط قائم ہو گیا وہاں تو اسلامی قوانین کا پڑھنا پڑھانا بھی محض عربی مدرسوں میں بطور تبرک ہی رہ گیا۔(۱۸) اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ اسلامی فقہ محض کتابوں کی

زینت بن گئی اور اس کے نفاذ کی عملی جدّ وجہد سے مسلمانوں کو مایوس کر دیا گیا۔

ان تمام اسباب سے قطع نظر ہو کر اگر غور کیا جائے تو اس دور کی ایک سب سے نمایاں اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں فقہ کو باقاعدہ تدوین اور پھر اس کے بعد تحقیق وتنقید کے مراحل سے گزارا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے اشکالات دور ہو گئے اور بہت سی غلط فہمیوں کا راستہ رک گیا۔ ساتھ ہی ساتھ فقہی کتب کا ایسا شاندار ذخیرہ اکٹھا ہو گیا جس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں۔ اگرچہ علماء نے تقلید کا راستہ اختیار کرتے ہوئے متقدمین کی کتابوں کی شروحات لکھنے پر ہی اکتفا کیا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے پیش رو اتنا بڑا کام کر گئے تھے کہ اس کو سنبھالنے کے لیے بھی طویل وقت اور محنت شاقہ درکار تھی جو ان حضرات نے باحسن نبھائی۔ چنانچہ اس دور کے فقہاء نے اپنی شروحات میں متقدمین کے کام کا انتہائی باریک بینی سے جائزہ لیا اور اسی باریک بینی اور ژرف نگاہی کا نتیجہ نکلا کہ غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

> ''فقہاء نے جو اجتہادات کیے تھے اور پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جو فقہی مسالک قائم ہوئے تھے ان کے ایک ایک پہلو اور ایک ایک لفظ پر اتنی کثرت سے غور کیا گیا' اتنی باریک بینی سے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا گیا کہ کسی چیز میں کسی غلط فہمی کا امکان نہیں رہا۔ کسی ایک رائے کو جب کئی سو سال تک غور وخوض کا موضوع بنایا جائے گا تو اس میں کسی غلطی اور الجھن کا امکان بہت کم رہ جائے گا اور ہر چیز بہت واضح اور منقح ہو کر سامنے آ جائے گی۔''(۱۹)

لیکن بدقسمتی یہ رہی کہ ان کے بعد کے علماء وفقہاء نے اسی کو اپنا وطیرہ بنا لیا اور اسی کو متقدمین کی محنت کا مقصد ومنشا سمجھنے لگے۔ چنانچہ تقلید اور جمود کا یہ عرصہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور عصری تقاضوں کے مطابق فقہ اسلامی کی جزئیات کی عملی تطبیق نہ ہونے کے باعث مسائل اور مشکلات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

دورِ حاضر (فقہ کا چھٹا دور)

اس دور کا آغاز آٹھویں صدی ہجری سے ہوتا ہے جب فقہ حنبلی کے علماء علامہ ابن تیمیہ ؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم ؒ جیسے عبقری شخصیت کے مالک حضرات نے اجتہاد کے حوالہ سے اپنے افکار وخیالات سے لوگوں کو متاثر کیا۔ علامہ ابن تیمیہ ؒ نے تقلید جامد کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے صدیوں پرانی اجتہادی مساعی کی یاد تازہ کر دی۔ علامہ ابن تیمیہ ؒ کے قلم نے تقلید وجمود کی دیواریں گرانے میں گرز البرز کا کام کیا۔ ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ان کے افکار ونظریات کو باقاعدہ مرتب کر کے چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پڑھے لکھے طبقہ میں جمود کی کیفیت کم ہوئی اور اذہان از سرِنو حالات وزمانہ کی رعایت سے فقہی جزئیات پر سوچنے پر آمادہ ہوئے۔

ہندوستان میں یہ سہرا حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کو جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی تجدیدی مساعی سے فقہ اسلامی کو اس کی اصل روح کے مطابق زندہ کیا۔ ان کے بعد ان کی قابل اور ذی استعداد اولاد نے یہ کام باحسن نبھایا۔ اسی طرح محمد بن عبدالوہاب نجدی' سید جمال الدین افغانی اور ان کے بعد ان کے قابل

قدر شاگرد شیخ مفتی محمد عبدہ اور پھر ان کے بعد ان کے شاگرد سید رشید رضا لبنانی ﷫ نے اسے نئی جہتیں عطا کیں۔

اسلامی فقہ کے احکام تمام اجتہادی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کو اکٹھا کر کے ایک فقہی کتاب کی شکل میں مدون کیا گیا اور اس کام کی نگرانی سلطنتِ عثمانیہ کے زیر سایہ ہوئی۔ اس کتاب کا نام ''**المجلة الاحکام العدلیہ**'' رکھا گیا اور سلطنتِ عثمانیہ نے اپنی سلطنت میں اسے رائج کر دیا۔ اس کا آغاز ۱۸۵۶ء میں ہوا اور ۱۸۷۶ء میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ اس کتاب کو سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور جملہ فقہی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ سلطنت عثمانیہ کا پہلا مدون اور کوڈیفائنڈ سول لاء تھا جو فقہ اسلامی سے بالعموم اور فقہ حنفی سے بالخصوص ماخوذ تھا۔ کہیں کہیں اس میں فقہ حنفی سے ہٹ کر دوسرے فقہاء کے اقوال بھی لیے گئے تھے[۲۰]۔ اس کام کے بہت دور رس نتائج برآمد ہوئے اور فقہ اسلامی ایک جدید دور میں داخل ہو گئی۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں:

> ''جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو مجلۃ الاحکام العدلیہ پوری سلطنتِ عثمانیہ میں نافذ العمل تھا۔ اس زمانہ میں سلطنت عثمانیہ کی حدود مشرقی یورپ کے کئی ممالک' ترکی' وسط ایشیا کا کچھ حصہ' عراق' شام' فلسطین' لبنان' الجزائر' لیبیا' تیونس اور جزیرہ عرب کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۹۲۵ء تک کا زمانہ **مجلة الاحکام العدلیہ** کی حکمرانی کا زمانہ تھا۔''[۲۱]

سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد اس پر عمل بند ہو گیا اور یورپی قوانین نے اس کی جگہ لے لی۔ ۱۹۴۰ء کے اواخر میں عرب دُنیا میں اس سوچ نے اہمیت اختیار کی کہ فقہ اسلامی کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے اور اسے دستوری حیثیت دی جائے۔ یہ وہ دور تھا جب مختلف عرب ممالک ایک ایک کر کے الگ ہو رہے تھے اور آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہو رہے تھے۔ ان حالات میں ان فقہائے کرام نے جو طویل عرصہ سے فقہ کی جدید تدوین کے حوالہ سے کام کر رہے تھے ان نوزائدہ ممالک سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ مغربی قوانین کی جگہ فقہ اسلامی کو رواج دیں اور نافذ کریں۔

چنانچہ مصر میں استاد عبدالقادر عودہ شہید ﷫ نے اس موضوع پر کتاب لکھی جس کا نام ''**التشریع الجنائی الاسلامی مقارناً بالتشریع الوضعی**'' رکھا۔ اس کتاب میں اسلامی فوجداری قانون کا بڑے محققانہ انداز میں جائزہ لیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقا ﷫ نے بھی اپنے منفرد ذہن کی بنا پر اس حوالہ سے کام کیا اور طویل جدوجہد اور محنتِ شاقہ کے بعد فقہ اسلامی کا ایک عالی شان انسائیکلوپیڈیا تیار کیا جسے کویت کی وزارت اوقاف نے ۴۰ مجلدات میں شائع کیا ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا میں فقہ اسلامی کی تمام جزئیات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اس کا نام ''**موسوعة الفقه الاسلامی**'' ہے۔ یہ کام تیں چالیس سال کی مسلسل محنت کے بعد مکمل ہوا ہے اور اس میں عرب دنیا کے بہترین فقہی دماغ استعمال ہوئے ہیں۔ بھارت کے اہل علم نے اسلامی فقہ اکیڈمی کے زیر انتظام اسی بے مثال کتاب کی بیشتر جلدوں کا اردو ترجمہ کر ڈالا ہے جو زیر طبع ہے[۲۲]۔ اس طرز پر مصر نے بھی کام کیا اور ''**الموسوعة الفقه الاسلامی**'' کے نام سے دس جلدوں پر مشتمل موسوعہ طبع کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب بھی عمدہ ہے لیکن استفادہ کے لحاظ سے کویت کا موسوعہ زیادہ عمدہ ہے۔

اب ہم اس دور کے عمومی فقہی رجحانات اور خصوصیات کا خلاصہ اور جائزہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کرتے ہیں:

یہ دور دراصل پانچویں دور کے جمود کے خلاف شدید ردّعمل کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ اس دور نے مجموعی طور پر اُمتِ مسلمہ کو یہ دعوت دی کہ مسلمانوں کے فکری جمود نے انہیں شریعت کی اصلی روح سے دور کر دیا تھا' چنانچہ اسے پھر زندہ کرنا ازحد ضروری ہے۔ اس فکر نے لوگوں کو فکر و شعور سے کام لینے پر آمادہ کیا اور ان کے شعور کی سطح پر نمایاں تبدیلی آئی' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مکمل طور پر فکری جمود ختم تو نہ ہوا' لیکن اس کی بنیادوں پر کاری ضرب لگی اور اس حوالہ سے غور و فکر کرنے والے اور سوچنے والے لوگوں کی جماعت پیدا ہوئی جنہوں نے اس عظیم مقصد میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا۔

اس دور کے مجددین فقہ نے تقلید کی پرزور نفی کی اور کسی ایک فقہ کو قرآن و حدیث کا درجہ دینے کی صریح مخالفت کی۔ شریعتِ اسلامی کے مصالح اصلیہ سے از سرِنو رجوع کر کے بدعات و خرافات کو دور کرنے کی بڑی شدت سے کوشش کی گئی۔ اس حوالہ سے عرب ریاستوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے مکمل وسائل اس مقصد کے لیے استعمال کیے۔ علامہ ابن تیمیہ ؒ اور ان کے بعد ان کے قابل قدر شاگردوں نے اور اسی طرح شیخ عبدالوہاب نجدی ؒ نے تقلید کے خلاف بہت کام کیا۔

اس دور میں فقہی وحدت کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ چونکہ ہر بڑے فقہی مسلک میں کامل اتفاق رائے نہیں پایا جاتا تھا چنانچہ کوشش کی گئی کہ ہر مسلک کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ایک عمومی فقہ تشکیل دی جائے جس میں ہر مسلک سے برابری کی سطح پر استفادہ کیا جائے۔ لیکن چونکہ اس عمل کے لیے آزاد فکری فضا مہیا نہیں ہو پائی اس لیے یہ کوشش بارآور ثابت نہ ہو پائی' لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس حوالہ سے سوچنے والے لوگوں کی ایک کھیپ تیار ہو گئی۔

مسلمان ریاستوں بالخصوص عرب ریاستوں نے جدید فقہی مسائل کے حل کے لیے بہترین فقہی دماغوں کو اس مقصد کے لیے وسائل مہیا کیے۔ لیکن اس کا ایک نقصان بھی ہوا کہ فقہ اسلامی کے حوالہ سے جو آزادیٔ فکر چاروں فقہی مسالک کے بانیوں کو مہیا تھی' وہ اس دور میں حاصل نہ ہو سکی اور یہ فقہی کام حکومتوں کے زیر سایہ مکمل ہونے کے باعث وہ درجہ نہ پا سکا جو مسالک اربعہ کو حاصل ہوا۔

اس دَور کا ایک تاریک پہلو یہ بھی ہے کہ صحیح الخیال اور ذی استعداد لوگوں کی دیکھا دیکھی بہت سے نااہل اور دینی بصیرت سے محروم لوگ بھی اس میدان میں اتر آئے' جس سے فقہ اسلامی کو فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان پہنچا اور فروعی معاملات سے ہٹ کر اصولی معاملات میں بھی دخل اندازی شروع ہو گئی اور رائے کا دخل بہت زیادہ ہو گیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحیح الخیال اور فقہی بصیرت رکھنے والا طبقہ اپنا ذہنی سرمایہ ان کا رد کرنے پر صرف کرنے لگا اور اصل مقصد سے پسپائی اختیار کرتا چلا گیا۔

جہاں ایک طرف تقلید کے خلاف علامہ ابن تیمیہ ؒ اور ان کے شاگردوں نے طویل جدّوجُہد کی وہیں ان کے بعد ان کے پیش رو انہی کی تقلید کو حتمی سمجھنے لگے اور ان کے اقوال کی شروحات کرنے میں وقت صرف

کرنے لگے۔ اسی طرح شیخ عبدالوہاب نجدی ؒ جو تمام عمر تقلید کے خلاف برسرِ پیکار رہے ان کے اقوال کو قرآن وسنت کے بعد تیسرا درجہ دینے لگے۔ اور اس عمل میں اس درجہ شدّت سے کام لینے لگے کہ فقہائے اربعہ کے خلاف ایک نئی فضا کو جنم دیا گیا۔ گویا تقلید کو ترک کرتے کرتے خود مقلّد بن گئے۔

بہرحال ان تمام تر باتوں کے باوجود سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ فقہ اسلامی میں عام بیداری پیدا ہوچکی ہے اور عالمِ اسلام کی فضا اس کے لیے کافی حد تک ہموار اور متوازن ہوچکی ہے۔ اگر اس کا رُخ کسی غلط سمت نہ مڑ گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ فقہ اسلامی کا ایک نیا دور شروع ہو جو دنیا کی تاریخ میں سورج کی طرح ہمیشہ چمکتا رہے۔

حوالہ جات

(۱) مولانا محمد تقی امینی نے چار ادوار کا ذکر کیا ہے' ملاحظہ ہو ''فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر'' ص ۴۰۔
(۲) غازی' محمود احمد' ڈاکٹر' محاضراتِ فقہ' ص ۲۲۳۔
(۳) ایضاً۔
(۴) ندوی' عبدالسلام' تاریخ فقہ اسلامی' ص ۱۴۶۔
(۵) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۴۵۔
(۶) ندوی' عبدالسلام' تاریخ فقہ اسلامی' ص ۱۶۹۔
(۷) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۴۶۔
(۸) ایضاً' ص ۵۳۔
(۹) غازی' محمود احمد' ڈاکٹر' محاضرات فقہ' ص ۲۴۸۔۲۴۷۔
(۱۰) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۵۵۔
(۱۱) غازی' محمود احمد' ڈاکٹر' محاضرات فقہ' ۵۱۶۔
(۱۲) صبحی محمصانی' اسلامی فلسفہ قانون کی جدید تشکیل' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر ۱۹۸۵ء) ج ۲' ص ۳۸۔۳۹۔
(۱۳) ایضاً۔
(۱۴) زرقا' مصطفیٰ احمد' ڈاکٹر' اسلامی قانون کا تاریخی ارتقاء' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر ۱۹۵۸) ج ۱' ص ۳۶۵۔
(۱۵) پھلواروی' محمد جعفر' اجتہادی مسائل' ص ۳۴۔
(۱۶) محمد ابوزہرہ' الملکیۃ ونظریۃ العقد فی الشریعۃ الاسلامیۃ' ص ۳۸۔۳۹۔
(۱۷) زرقا' مصطفیٰ احمد' ڈاکٹر' اسلامی قانون کا تاریخی ارتقاء' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر ۱۹۵۸ء) ج ۱' ص ۳۶۵۔
(۱۸) اصلاحی' امین احسن' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر ۱۹۵۸ء) ج ۲' ص ۲۸۰۔
(۱۹) غازی' محمود احمد' ڈاکٹر' محاضرات فقہ' ص ۴۸۳۔
(۲۰) ایضاً' ص ۵۲۱۔
(۲۱) ایضاً۔
(۲۲) ایضاً' ص ۵۳۰۔